میزان

تبصرۂ کتب

وخیر جلیس فی الزمان کتاب

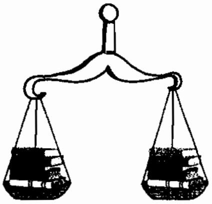

نام کتاب: رویت ہلال، مسئلہ اور حل

تالیف: خالد اعجاز مفتی

ناشر: دارالکتاب، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

اشاعت: ستمبر ۲۰۰۶ء

قیمت: درج نہیں

تبصرہ نگار: پروفیسر ظفر احمد۔ جتوئی، ضلع مظفر گڑھ

رویت ہلال اور اس کے متعلقات دور حاضر میں امت مسلمہ کے لئے ایک سلگتے ہوئے (Burning Question) کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، لیکن عوام وخواص کی بے حسی اور عدم توجہی بے حد افسوس ناک ہے اور جنھیں اس کی اہمیت کا کچھ ادراک ہے وہ بھی ایک طرح کی بے بسی کے عالم میں صورت حال کو برداشت کئے جا رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد للہ متعدد حضرات اور ادارے اس اہم مسئلے کے مناسب اور قابل قبول حل میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔ تاہم محترم ضیاء الدین لاہوری صاحب وہ نمایاں ترین شخصیت ہیں جنھوں نے برصغیر میں دورِ حاضر کے اس اہم مسئلے کی جانب جذبۂ صادقہ کے تحت عوام وخواص کو سب پہلے غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ اب ان کے فرزند ارجمند محترم اعجاز مفتی صاحب کی یہ کتاب بھی اسی پر خلوص دعوتِ فکر وعمل کا ایک تسلسل ہے۔ کتاب کے بیشتر مباحث سے کوئی بھی شخص جو عقل سلیم کی نعمت سے بہرہ مند ہو اور موضوع کی صرف مبادیات سے ہی متعارف ہو، اختلاف نہیں کرسکتا۔ کتاب کے آخر میں رصد گاہی کوائف اور ممکنہ رویت ہلال کی پیشین گوئی کی جداول نے اس کی قدر وقیمت میں معتد بہ اضافہ کیا ہے۔ فلکیات سے دلچسپی رکھنے والوں اور علوم دینیہ کے ماہرین کو خصوصاً اور دیگر قارئین کرام کو عموماً اس کتاب کے

استفادے سے محروم نہیں ہونا چاہئے تا کہ متعلقہ مسئلے کے سلسلے میں وہ نہ صرف بعض حلقوں کی فکری لغزشوں سے باخبر ہوسکیں بلکہ اس کے مناسب حل کے لئے علمی و عملی دباؤ میں اضافے کا ذریعہ بھی بن سکیں۔

تاہم کتاب کے صفحہ ۳۳ پر ''نئے چاند'' کی اصطلاح کو فلکی اور دینی کے دوخانوں میں قطعیت سے منقسم کردینا محل نظر ہے۔ بعض حالات میں کسی چیز کے وجود کا ثبوت یقیناً رویئت اور شہادت رویئت پر منحصر ہوتا ہے لیکن عدم رویئت، عدم وجود کو ہرگز مستلزم نہیں ہے۔ دور نبوی ﷺ میں فلکی قواعد کے ذریعے نئے چاند کا علم حاصل کرنا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے نئے چاند کا وجود گو رویئت سے مشروط نہ سہی، لیکن اس کے ثبوت کا انحصار صرف اور صرف رویئت پر ہی تھا۔ دور حاضر میں یہ ثبوت رؤیت پر منحصر نہیں رہا تو رؤیت پر اصرار کہیں بیجا غلو کے زمرے میں تو نہیں آتا؟ مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حضرت واثلہؓ بن اسقع سے مرفوع روایت ہے کہ صحفِ ابراہیمؑ کا یکم رمضان، تورات کا ۶/ رمضان، انجیل کا ۱۳/ رمضان اور قرآن کا ۲۴/ رمضان کو نزول ہوا تھا۔ اسی طرح کی ایک روایت تفسیر ابن مردریہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ: ص ۱۰۲، دار طیبہ، ریاض سعودی عرب، طبع اول) بقول حافظ ابن کثیرؒ اسی روایت کی بناپر صحابہ کرامؓ اور تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ لیلۃ القدر ۲۴/ رمضان کو ہوتی ہے۔ مسند احمدؒ کی مذکورہ روایت جلد چہارم ص ۱۰۷ پر ہے۔ (ایضاً) کسی بھی معتبر تقویم مثلاً جو ہر تقویم کو دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ۹ ستمبر ۶۰۸ عیسوی جیولین کو قمری تاریخ ۲۳ رمضان اور دن سوموار تھا۔ یہ تاریخ بحساب رویئت ہلال بنتی ہے۔ قِران مورخہ ۱۶/ اگست ۶۰۸ عیسوی کو ۱۱ بجکر تین منٹ پر ہوا یعنی ۱۶ اگست کو سورج غروب ہونے کے وقت تک چاند کی عمر کوئی آٹھ گھنٹے کے قریب تھی اور چاند کا فلکی قواعد کے تحت نظر آنا محال تھا، لیکن رویئت ہلال کے بجائے طلوع ہلال یعنی وقتِ قران کو بنیاد بنایا جائے تو ۹ ستمبر ۶۰۸ء بروز سوموار قمری تاریخ ٹھیک ۲۴ رمضان المبارک بنے گی۔ جبکہ سالہائے ۶۰۹ء اور ۶۱۰ عیسوی میں یہ تو طلوع ہلال اور نہ ہی رویئت ہلال کے حساب سے ۲۴ رمضان کو سوموار کا دن برآمد ہوتا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ چاند کی پہلی تاریخ رویئت ہلال کی بجائے طلوع ہلال (وقتِ قران/ ولادتِ قمر) پر مبنی ہوسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت (۶۰۸ ـ ۳۹ سال جو قمری ۴۰ سال ہوتے ہیں) = ۵۶۹ عیسوی جیولین ہے نہ کہ ۵۷۱ عیسوی جیسا کہ محمود پاشا فلکیؒ اور ان کی پیروی میں علامہ شبلی نعمانیؒ اور قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کا خیال ہے۔ چنانچہ مشہور ریسرچ اسکالر ڈاکٹر حمید اللہؒ نے ۵۶۹ء کو ہی سال ولادت قرار دیا ہے اور مشہور محقق مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ کی تقویم تاریخی کے ابتدائی صفحات میں ''چند یادگار تاریخیں'' کے عنوان کے تحت ولادتِ مبارکہ کی

تاریخ بحساب کبیسہ (ملی کیلنڈر) ۹ دسمبر ۵۶۹ء لکھی ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اصل تاریخ ۴ نومبر ۵۶۹ء ہے جیسا کہ اسی مجلّہ السیرۃ عالمی کے شمارہ نمبر ۲، اور شمارہ نمبر ۱۴ میں راقم الحروف نے نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ یوں ہماری نظر میں قمری تاریخ کا آغاز اصولاً ولادتِ قمر/طلوع قمر سے ہونا چاہئے چونکہ دورنبوی ﷺ میں طلوع قمر کے اوقات کو معلوم کرنے کا کوئی یقینی اور بے خطا طریقہ موجود نہیں تھا لہٰذا رویت ہلال کو قمری تواریخ کے شمار کے لئے بنیاد بنانا ناگزیر تھا۔ فرض کیجئے رویت ہلال کی بنا پر رمضان کا مہینہ ۲۹ دن کا ہو لیکن مطلع ابرآلود یا غبار آلود ہونے کی وجہ سے رمضان کا یہ مہینہ ۳۰ دن کا شمار کیا گیا ہو اور شوال کا مہینہ بھی ۳۰ دن کا تھا لیکن اسے ۲۹ دن کا سمجھ لیا گیا ہو تو یکم شوال کی عید الفطر حقیقۃً ۲ شوال پر جا پڑی لیکن لوگوں نے اسے یکم شوال ہی سمجھا تو لوگ عنداللہ ماخوذ نہ ہونگے۔ لہٰذا یہاں یہ شبہ ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا کہ اگر رویت کی بجائے طلوع قمر کو پہلی تاریخ کی بنیاد ٹھہرایا جائے تو دورِنبوی ﷺ کی تمام قمری تواریخ غلط ٹھہریں گی۔ احادیث کے مطابق لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہئے لیکن مذکورہ مرفوع حدیث سے ہم معلوم کر چکے ہیں کہ نزول قرآن والی لیلۃ القدر ۲۴ رمضان تھی جو بلحاظ طلوع ہلال ہے اور بحساب رویت ہلال یہ ۲۳ رمضان کی رات تھی چونکہ ان دنوں رویت ہلال ہی کو ملحوظ رکھے بغیر کوئی اور متبادل تھا ہی نہیں، لہٰذا لیلۃ القدر کو طاق راتوں میں تلاش کی بات ہوئی ورنہ طلوع ہلال کے اعتبار سے یہی طاق راتیں دراصل جفت راتیں ہوسکتی ہیں، جیسا کہ اوپر ۲۴ رمضان اور ۲۳ رمضان کی مثال سے واضح کیا جا چکا ہے۔ شرعی احکام کی بجا آوری میں شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا لہٰذا رویت ہلال کی بنا پر قمری تواریخ کا تعین کیا جائے یا طلوع ہلال کو ملحوظ رکھا جائے، فریقین میں سے انشاء اللہ کوئی بھی عنداللہ ماخوذ نہ ہوگا یہ دور حاضر کا سراسر اجتہادی مسئلہ ہے۔ البتہ زیر بحث مسئلے میں پیچیدہ صورت اس وقت سامنے آتی ہے جب قِران رات کے آخری اوقات میں ہوا ہو اور چاند کی پہلی تاریخ کا اعلان اسی تاریخ کو غروب شمس کے بعد کر دیا جائے حالانکہ اس وقت تو چاند کی ولادت ہی نہیں ہوئی تھی ممکن ہے پورے دن کے چوبیس گھنٹوں میں مثلاً بیس بائیس گھنٹے میں نیا چاند موجود رہا ہو لیکن غروب شمس کے وقت نئے چاند کا وجود ہی نہ ہو۔ چونکہ ۲۴ گھنٹوں میں اکثر وقت مثلاً بیس گھنٹوں میں نیا چاند موجود تھا اور اگلے دن غروب شمس کے وقت اس کی عمر مثلاً ۲۰ گھنٹے تھی تو کیا نئے چاند کا شمار گزشتہ رات سے ہونا چاہئے یا نئی رات سے؟ ہمارے خیال میں نئے چاند (طلوع ہلال یعنی وقتِ قِران/ولادتِ قمر) سے پہلے تاریخ کا اعلان تبھی درست سمجھا جانا چاہئے جب کہ قِران سورج غروب ہونے سے پہلے ہوا ہو۔ اگر قِران سورج غروب ہونے کے بعد ہو تو پہلی قمری تاریخ کا اعلان اگلی

رات سے ہونا چاہئے۔

لیکن اگر طلوع ہلال/قران کو قمری تاریخ کے شمار کے لئے بنیاد بنانا ہی درست نہیں اور صرف روئیت ہلال ہی کو معیار ٹھہرانے کو بہر حال معتبر جاننا شرعاً ضروری ہے تو سعودی عرب، مصر، شام، اردون، عراق، افغانستان وغیرہ ممالک میں اور خود ہمارے وطن عزیز میں صوبہ سرحد میں قمری تواریخ کا عموماً ایک دن اور بعض مہینوں میں دو دن مقدم ہو جانا لمحۂ فکریہ ہے، اور نہیں تو کم از کم رمضان المبارک، عیدین اور حج کے ایام کی تعیین کے لئے اس نہایت اہم مسئلے کی طرف بلا تاخیر توجہ مبذول کرنی چاہئے اور یہ بات تو قطعاً ناقابل قبول ہے کہ ولادتِ قمر سے بیس بلکہ اس سے بھی زیادہ پہلے ہی ''روئیت ہلال'' کا اعلان کر دیا جائے۔ نیز اگر قمری تواریخ کی بنیاد روئیت کی بجائے طلوع ہلال (ولادتِ قمر) پر ہی رکھنی ہو تو روئیت ہلال کا ڈھونگ رچانے کا کوئی بھی جوازِ نظر نہیں آتا۔ اگر مسلمہ فلکی قواعد کے تحت کسی تاریخ کو روئیت ہلال عادۃً محال ہو تو روئیت ہلال کی خلافِ حقیقت شہادتوں کو معتبر سمجھ لینا افسوس ناک بے خبری ہے۔

کتاب میں طباعت کی بعض اغلاط کھٹکتی ہیں ایک جگہ جز ئیہ کو ''جز یہ'' قِران کو ''قرآن'' سعودی کو ''سعودیٰ'' لکھا پایا اور شبہہ کو تو غالباً ہر جگہ ہی ''شبہ'' لکھا ہے کتاب کا آغاز بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہیں کیا گیا۔ گو مجموعی حیثیت سے کتاب کا انداز علمی اور قابل تعریف حد تک سنجیدہ ہے لیکن کہیں کہیں غالباً غیر شعوری طور پر مناظرانہ انداز کی حدت وشدت بھی ملتی ہے۔ مثلاً صفحہ ۷۷ پر علامہ عمران حمید اشرفی کے متعلق لکھا ہے ''ڈنکے کی چوٹ پر جھوٹ کہنے سے متعلق محاورے کی وضاحت اس سے بہتر انداز میں شاید نہ ہو سکے''۔ صفحہ ۷۸ پر ہے ''اب شیخ عبدالعزیز بن باز سے کون پوچھے کہ..........''

علمی مباحث میں حتی الامکان نظر شخصیات کی بجائے نظریات پر مرکوز رہنی چاہئے اور عدم برداشت کے موجودہ دور میں تو مزید احتیاط درکار ہے۔

صفحہ ۲۰۸ پر ماہنامہ ''فقہ اسلامی'' کے شمارہ اکتوبر ۲۰۰۴ء کے اداریے کی عبارت کا آخری جملہ یوں ہے ''......اس کے ذمے دار مکمل طور پر ایسے علما حضرات ہوں گے جو انا وہٹ دھرمی کے بتوں کو پاش پاش کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں، چنانچہ عنداللہ اس بت پرستی پر ان کا جو مواخذہ ہوگا اس کے لئے انہیں تیار رہنا چاہئے''۔ اس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ اداریہ لگانے والوں نے لوگوں کو جنت اور جہنم میں بھیجنے کا خدائی منصب سنبھال رکھا ہے۔ غیظ وغضب کا اظہار ہی اگر مقصود تھا تو بہتر تھا کہ کچھ اس طرح جملہ ختم کیا جاتا ''چنانچہ خدشہ ہے کہ اس بیجا ہٹ دھرمی اور ضد پر عنداللہ کہیں مؤاخذہ نہ ہو اللہ تعالیٰ ہمیں ہر معاملے میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے''۔ صفحہ ۲۰۴۔ ۲۰۵ پر نسی کا جو مفہوم دیا گیا ہے وہ محض جزواً صحیح

ہے نسی کے متعلق اہل علم غیر شعوری طور پر جس افراط وتفریط کا شکار ہیں، اس کے سمجھنے کے لئے مجلہ ہذا السیرہ عالمی کے شمارہ نمبر ۱۳ میں راقم الحروف کے مقالے کے اس حصے کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ہوگا جو حج ابی بکر صدیقؓ اور غزوۂ تبوک کی توقیت اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ حرام کو اعتقاداً حلال ٹھہرالینا بلا شبہ ''زیادۃ فی الکفر'' ہے لیکن ایسا کرنے پر کوئی مجبور ہوگیا ہو تو وہ ان شاء اللہ عند اللہ ماخوذ نہیں ہوگا۔ دورِ جاہلیت کی سنی والی قمریہ شمسی تقویم کو حجۃ الوداع کے موقع پر منسوخ کر کے خالص قمری تقویم کو بحال رکھا گیا اس سے پہلے تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اسی نسی والی تقویم پر عمل پیرا رہے لیکن ایسا کرنے میں وہ اس وقت کی معاشرتی صورتِ حال کے پیش نظر سراسر مجبور تھے۔

نام کتاب: درس سیرت

مولف: سید عزیز الرحمٰن

ناشر: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی

صفحات: ۲۷۲، قیمت: ۱۴۰ روپے

تبصرہ نگار: ڈاکٹر خالد علوی۔ اسلام آباد

سیرت رسول ﷺ ایک سدا بہار موضوع ہے اس کا تنوع اور اس کے امتیازات کا نہ ختم ہونے والا ایک ذخیرہ ہے۔ آپ کے شخصی محاسن سے لے کر آپ کی تعلیمات وارشادات تک لاتعداد موضوعات ہیں جن پر ہمیشہ گفتگو رہی ہے اور لکھا جاتا رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مجموعی طور پر یا کسی ایک پہلو پر لکھنا ایک سعادت ہے، جس کی آرزو غیر مسلموں نے بھی کی ہے۔ پاکستان میں سیرت رسول پر خصوصی توجہ کے کئی عوامل ہیں اور ان میں سے ایک وزارت مذہبی امور بھی ہے۔ اہل علم لکھتے ہیں اور وہ تقاضائے محبت رسول اللہ ﷺ کے تحت لکھتے ہیں یا اصلاح المسلمین کے احساس کے ساتھ لکھتے ہیں۔ جس تقاضے کے تحت لکھا جائے قابل تحسین ہے۔ پچھلے چند برسوں میں قابل قدر کتابیں مرتب ہوئی ہیں اور ''درس سیرت'' بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔

زیر نظر کتاب نوجوان عالم دین اور دانشور سید عزیز الرحمٰن کی تالیف ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کے اخلاقی محاسن، معاشرتی آداب اور تربیتی اقدار پر مختصر، مستند اور جامع انداز میں بحث کی گئی ہے۔ سید عزیز الرحمٰن نجیب الطرفین ہیں۔ انہیں علم اور روحانی تربیت اپنے ہی خاندان میں میسر آئی ہے۔ ذاتی محنت اور خدا داد صلاحیت سے انہوں نے ان کو خوب پروان چڑھایا ہے۔ کتاب میں آں جناب ﷺ کے حسن اخلاق و کردار کے بیان میں سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ آپ سے گہری وابستگی کی جھلک ہر جگہ دکھادیتی ہے۔ اللہ